

تفسير احمد

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ
Ketabton.com

جزء - 30

سوره «التكاثر» كا تفسير و ترجمه

تصنيف: امين الدين « سعیدی - سعيد افغانی »

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورة التكاثر

جزء (30)

سورة التكاثر مکہ میں نازل ہوئی ہے

وجه تسمیہ :

سورہ تکاثر : اس لیے نام رکھا گیا کہ ہمارے عظیم پروردگار نے اس سورت کے شروع میں فرمایا ہے: "أَلْهَكُمُ التَّكَاثُرُ": کثرت مال و اولاد اور یاروں ، خدمت گاروں پر فخر نے تمہیں غافل کر دیا، تو ہم کہیں گے اس سورہ کا نام اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے " أَلْهَكُمُ التَّكَاثُرُ" یہ سورت: تکاثر: کے نام سے مشہور ہوئی، اس سورت کا آغاز ملامت اور سرزنش سے ہوتا ہے ، اس میں بہت سی آیات دنیا میں مصروف لوگوں کی تنبیہ کے لیے ہیں۔

سورة التكاثر کے سورہ القارعه سے ربط و مناسبت

سورہ قارعه میں قیامت کے دن کی بعض سختیوں اور نیکیوں کے مکافات اور بد کاروں کے عذاب کے بارے میں بتایا گیا ہے، اور تکاثر میں جہنمیوں کے عذاب میں گرفتاری کی حالت زار کی وجہ بیان کی گئی ہے، کہ دنیوی مال و دولت، اولاد، لشکر، نوکروں اور ہمنشینوں سے لگاؤ اور محبت، اور گناہوں میں آلودہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے دین سے غافل ہو گئے۔

سورة التكاثر کی آیات ، الفاظ اور حروف کی تعداد

سورہ تکاثر سورہ کوثر کے بعد نازل ہوئی ہے، اس سورت کا ایک (1) رکوع، آٹھ (8) آیتیں، اڑسٹھ (68) الفاظ، ایک سو تیس (123) حروف اور انہتر (69) نقطے ہیں۔

(قرآن کی سورتوں کے حروف کی تعداد میں علماء کی آراء مختلف ہیں، اس بحث کی تفصیل کے لیے تفسیر احمد سورة الطور ملاحظہ کریں)۔

سورة التكاثر کے نزول کا وقت

ابو حیان اور شوکانی فرماتے ہیں یہ سورہ تمام مفسرین کے نزدیک مکی ہے، اما م سیوطی نے بھی کہا ہے کہ مشہور ترین قول یہی ہے کہ یہ سورت مکی ہے، لیکن بعض ایسی روایات بھی ہیں جن کی بنا پر اس سورت کو مدنی کہا گیا ہے وہ روایتیں یہ ہیں؛ ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ یہ سورت دو قبیلوں بنی حارثہ اور بنی الحارث الحر انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہ دونوں قبیلے پہلے اپنے زندہ لوگوں کو گن کر

ایک دوسرے پر فخر کرنے لگے ، پھر قبرستان میں جا کر اپنے مردوں کو شمار کر کے ایک دوسرے پر فخر اور ناز کرنے لگے ، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا ، "أَلْهَكُمُ التَّكَاثُرُ" لیکن اگر صحابہ اور تابعین کا طریقہ کار اس کے شان نزول کے بیان کے بارے میں دیکھا جائے تو شاید کہ یہ سورہ "تکائر" اس وقت نازل ہوئی ہو ، بلکہ اس مفہوم کا اس پر بھی اطلاق ہوتا ہے جو ان دو قبیلوں نے کیا تھا۔

امام بخاریؒ اور ابن جریر نے ابی بن کعب کی اس روایت کو نقل کیا ہے کہ ہم بنی آدم کے اس فرمان کو کہ " لو کان لابن آدم وادیان من مال لابتنی وادیا ثالثا ولا یملأ جوف ابن آدم إلا التراب " ترجمہ: " اگر اولاد آدم کے پاس مال و دولت سے بھری دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو تلاش کرے گا ، اور بنی آدم کا پیٹ مٹی کے سوا کچھ نہیں بھر سکتا" ، ہم اسے قرآن سمجھتے تھے کہ " أَلْهَكُمُ التَّكَاثُرُ"

نازل ہوئی ، اس روایت کو اس کے مدنی ہونے کی دلیل اس لیے قرار دیتے ہیں کہ ابی بن کعب مدینہ میں مسلمان ہوئے تھے ، لیکن ابی کے اس بیان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ صحابہ کرام کسی معنی کے بنیاد پر اسے قرآن سے سمجھتے تھے ، اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ اس روایت کو قرآن کی آیت سمجھتے تھے تو یہ بات قابل قبول نہیں ہے ، کیونکہ صحابہ کرام کی اکثریت ایسی تھی وہ کہ قرآن کریم کے ایک ایک حرف اور لفظ سے واقف تھے ، یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو جائیں کہ یہ حدیث قرآن سے مأخوذ ہے تو اس روایت کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مدینہ میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا ، انہوں نے پہلی بار یہ سورہ آپؐ کی زبان مبارک سے سنی ، ان کا خیال تھا کہ یہ نئی نازل شدہ سورت ہے ، اور پھر انہوں نے گمان کیا کہ رسول اللہؐ کی مذکورہ بالا حدیث اس سورہ سے لی گئی ہے ۔

ابن جریر ، ترمذی ، ابن المنذر اور دوسرے محدثین اس قول کو علی بن ابی طالبؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم عذاب قبر کے بارے میں شک اور تردید میں تھے کہ "أَلْهَكُمُ التَّكَاثُرُ" نازل ہوئی ، اس روایت کو اس سورت کے مدنی ہونے کی دلیل اس لیے کہتے ہیں کہ عذاب قبر کے بارے میں مدینہ میں بات ک گئی تھی ، مکہ میں اس کا ذکر نہیں ہوا تھا ، لیکن یہ مطلب غلط ہے ، مکی سورتوں میں بہت سارے مقامات پر اتنی صراحت کے ساتھ عذاب پر بات کی گئی ہے کہ جس میں شک و تردد کی گنجائش باقی نہیں رہتی ، مثال کے طور پر ملاحظہ ہو: سورہ انعام آیت 93 ، سورہ نحل ، آیت 28 ، سورہ مؤمنون آیات: 99-100 ، غافر آیات: 45-46 ، یہ تمام سورتیں مکی ہیں ، اس لحاظ سے اگر

حضرت علیؑ کی روایت سے صرف یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ سورہ : تکاثر: مذکورہ مکی سورتوں سے پہلے نازل ہوئی ہے، اور اس کے نزول نے صحابہ کرامؓ میں عذاب قبر کے بارے میں شک و تردد کا خاتمہ کردیا تھا۔ ان سب روایات کے باجود مفسرین کی بڑی اکثریت اس کے مکی ہونے پر متفق ہے، ہمارے نزدیک یہ سورہ نہ صرف مکی ہے، بلکہ اس کی مفہوم اور لحن بیان ایسا ہے کہ گویا یہ سورہ مکی دور کی ابتدائی نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک ہے، (از تفہیم القرآن)

سورہ تکاثر کا محور

سورہ تکاثر کا موضوع دنیا پرستی اور دنیا پرستوں کا برا انجام ہے، اور یہ انسانوں کا زیادہ طلب کرنا اور مانگنا موت کے لمحے تک جاری رہتا ہے ، سورت کا نام تکاثر باب تفاعل سے ہے ، زیادہ طلب کرنے کا معنی دینا ہے کثرت سے مانگنا اور ضرورت سے زیادہ مانگنا ، کیونکہ تکاثر، کثرت کے مادہ سے لیا گیا ہے ، اور کثرت تین معنی میں استعمال ہوتا ہے ، پہلا معنی یہ ہے کہ انسان کی تخلیق ایسی کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ کمانے اور مال و دولت میں اضافہ کے لیے کوشش کرتا ہے، چونکہ باب تفاعل سے ہے اس لیے کسی کام کے کرنے میں دو یا چند افراد کی شراکت کا معنی دیتا ہے ، تیسرا معنی فخر کرنا ہے کہ اس کی رو سے مال و دولت کثرت سے حاصل ہونے میں ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں، خاص کر اشرافیہ کے خاندان اور خصوصا خواتین، قرآن کی یہ تعبیر سورہ حدید کی آیت "20" میں دلچسپ انداز میں بیان ہوئی ہے، جہاں ارشاد ہے "اعلموا انما الحیوة الدنیاء لعب و لہو و زینة و تفاخرٌ بینکم و تکاثرٌ فی الاموال و الاولاد۔" کمثل غیثٍ اعجب الکفار نباتہ ثم یریح فترہ مصفراً ثم یكون حطاماً۔" و فی الاخرة عذاب شدید۔" و مغفرة من اللہ و رضوان۔" و ما الحیوة الدنیاء الا متاع الغرور۔" ترجمہ : "جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زینت (و آرائش) اور تمہارے آپس میں فخر (وستائش) اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب (و خواہش) ہے (اس کی مثال ایسی ہے) جیسے بارش کہ (اس سے کھیتی اگتی اور) کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے، پھر وہ خوب زور پر آتی ہے پھر (اے دیکھنے والے) تو اس کو دیکھتا ہے کہ (پک کر) زرد پڑ جاتی ہے پھر چورا چورا ہوجاتی ہے، اور آخرت میں (کافروں کے لیے) عذاب شدید اور (مؤمنوں کیلئے) خدا کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو متاع فریب ہے۔"

سورہ تکاثر کی فضیلت

جناب رسول اللہؐ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا : کیا تم میں کوئی

ہے جو دن میں ایک ہزار آیت قرآن کریم کی تلاوت کرے ، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کوئی یہ کر سکتا ہے کہ ہر روز ایک ہزار آیات پڑھے ، آپ نے فرمایا : کیا تم میں سے کوئی سورہ "الْهُكْمُ التَّكَاثُرُ" نہیں پڑھ سکتا؟ مطلب یہ ہے کہ سورہ "التكاثر" کا ہر روز پڑھنا ایک ہزار آیت پڑھنے کے برابر ہے ، (مظہری بحوالہ حاکم اور بیہقی عن ابن عمر)

سورت کے بارے میں مختصر وضاحت

اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور مہربانی سے انسان کو اپنی بندگی کی طرف دعوت دینے کی ابتدا اسے خواب غفلت سے جگانے سے کرتا ہے ، اور اس سے اس طرح مخاطب ہوتا ہے کہ : اے انسان ! ایسا ہرگز مت سوچنا کہ موجودہ حالت اور اس دنیا کی زندگی جس کے تم عادی ہو گئے ہو ہمیشہ کے لیے باقی رہے گی ، اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی ، اے انسان ! جان لو کہ اچانک ایک ایسی تبدیلی آئے گی کہ مکمل دنیا کو نا بود کر دے گی ، یہ بات قابل ذکر ہے کہ انسان کو جس چیز کی عادت پڑ جاتی ہے تو وہ یہ تصور کرتا ہے کہ اس سے کبھی الگ نہیں ہوگا ، اور وہ چیز کبھی ختم نہیں ہوگی ، وہ انسان جو اپنے مال و دولت ، نعمت اور اسباب و وسائل پر خوش ہو جاتا ہے ، اور ان کا عادی ہو جاتا ہے ، تو وہ رفتہ رفتہ یہ بھول جاتا ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ ہر چیز جو اس کے پاس ہے سب کے سب فنا ہو کر ختم ہو جائے گی۔

یہاں اسے خواب غفلت سے بیدار ہونا چاہیے اور ہوش میں آنا چاہیے کہ یہ تصور اور خیال درست نہیں ہے ، یہ حالت اور زندگی ایک دن ختم ہوگی ، یہ دنیا ایک دم بدل جائے گی ، ایک اور حالت اور دوسری دنیا وجود میں آئے گی کہ اس دنیا سے مشابہ بالکل بھی نہیں ہوگی ، اس معاملے میں قرآن کریم کی بہت سی آیات اس تبدیلی اور تغیر کی طرف اشارہ کرتی ہیں ، ایسی حالت کہ اس میں انسان مرنے کے بعد زندہ ہو گا ، اور دوسری حالت کے وجود میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہوگا تا کہ اس پر مقدمہ چلا یا جائے ۔ مثال کے طور پر سورہ " تکاثر " میں ان لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے ، جو قیامت کے دن اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے غافل رہتے ہیں ، اور بھول جاتے ہیں کہ یہ نعمتیں اللہ کی پہچان اور اس کے راستے کے انتخاب کا وسیلہ ہیں ، اور یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ جس دن رب تعالیٰ کے حضور میں حاضر کیے جائیں گے ، اور ان سے پوچھا جائے گا کہ : اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور وسائل سے کیسے استفادہ کیا ؟ : ان سے اس طرح خطاب کر کے فرما تا ہے "الْهُكْمُ التَّكَاثُرُ" حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ" اے عقلمند انسانو! اے وہ لوگو! جو دنیا کا مقام و مرتبہ حاصل کرنے میں مشغول اور سرگرم عمل ہو ، اور اس راستے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہو ، اور

اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو بھول گئے ہو، کیا تم نہیں جانتے، یا تم بھول گئے ہو کہ جس کے پاس جتنی نعمتیں اور مال و اسباب زیادہ ہوں اس پر ذمہ داری بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی؟ مقام و مرتبہ اور دولت و ثروت کے پیچھے ایسے لگے ہو کہ تمہاری جو اصل ذمہ داری ہے اور جو انجام تمہارے انتظار میں ہے اس سے غافل ہو گئے ہو، اور اسی طرح تم اس حالت میں ہو کہ موت تمہیں پکڑ لے، تم لوگ ہوش میں نہیں آتے اور خواب سے جاگتے نہیں ہو، یہاں تک کہ تم اپنی قبروں کو دیکھو گے (یعنی موت آئے اور ابدی جہاں میں پہنچ جاؤ)

اے غافل انسانو! اے وہ لوگو کہ تمہاری ساری سوچ اور فکر زیادہ مال و دولت جمع کرنا اور بلند مقام و مرتبہ حاصل کرنا ہے، کیوں تم اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو بھول گئے ہو، اس طرح کی زندگی گزار رہے ہو، اس وقت تک ہوش میں نہیں آؤ گے جب تک ابدی جگہ نہ پہنچو، اے غافل انسانو! "كَلَّا سَوْفَ

تَعْلَمُونَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝۴" اللہ تعالیٰ اس خطاب سے ان کی سرزنش اور

ملامت کرتا ہے اور فرماتا ہے: نہیں، نہیں ایسا کام نہ کرو، بس کرو، یہ کام نہ کرو، غفلت بہت ہو گئی اب بس کرو، خود کو مال کے جمع کرنے میں مشغول نہ رکھو، اور تمہاری کوشش اور تحرک مال و دولت اور مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے مقابلہ کے لیے نہ ہو، کیونکہ زیادہ دیر نہیں ہوگی کہ حقیقت جان جاؤ گے، اور ضرور جان لو گے کہ کیا خبر ہے اور کیا ہوگا۔ "کلا" نہیں، نہیں، خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور اس مقابلہ سے ہاتھ کھینچ لو، "لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝۵" اگر تم جان لیتے کہ کیا انجام آگے آنے والا ہے،

تو کبھی یہ کام نہ کرتے، کیوں غافل ہو؟ کیوں یہ نہیں سوچتے ہو کہ ایک دن آئے گا کہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا، کیوں ہوش میں نہیں آتے اور ہمیشہ دنیا کا مال جمع کرنے کی فکر میں ہو، لَتَرَوُنَّ

الْجُجُجِمَ ۝۶" اللہ کی قسم اس جلانے والی شعلوں والی، آگ کو ضرور دیکھو گے

، پہلے تو اسے دور سے دیکھو گے، اس کے بعد: ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝۷" اس سے اتنے قریب ہو جاؤ گے کہ ایک طرح سے اس کا مشاہدہ کرو گے، کہ اس میں شک و تردد کی کوئی گنجائش بھی نہیں رہے گی، یقینی آنکھ کے ساتھ اسے دیکھو گے، اور واضح طور پر جان لو گے کہ یہ آگ جہنم کی آگ ہے اور تم لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے، کہ اس سے کوئی راہ نجات اور چارہ نہیں ہے، یہ جان لو کہ اس دن ان تمام نعمتوں کے بارے میں جو تمہیں

دی گئی ہیں پوچھا جائے گا، ثُمَّ لِنَسْئَلَنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝۸ اس دن تم سے ان تمام نعمتوں اور سہولتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا جو تم کو فراہم کی گئی ہیں : تم سے پوچھا جائے گا ، کہ تم نے ان نعمتوں کو کیسے استعمال کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورة التكاثر

اَلْهٰكُمُ التَّكٰثُرُ ۝۱ حَتّٰی زُرْتُمُ الْبَقَاۡیِرَ ۝۲ كَلَّا سَوّٰفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوّٰفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ كَلَّا لَوْ
تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ۝۵ لَتَرْوُنَّ الْجَحِیْمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرْوُنَّهَا عِیْنَ الْیَقِیْنِ ۝۷ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ
النَّعِیْمِ ۝۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
اَلْهٰكُمُ التَّكٰثُرُ ۝۱	تمہیں ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی حرص نے غافل کر دیا
حَتّٰی زُرْتُمُ الْبَقَاۡیِرَ ۝۲	یہاں تک کہ تم نے قبرستان جا دیکھے
كَلَّا سَوّٰفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳	ہر گز نہیں، تم عنقریب جان لو گے
ثُمَّ كَلَّا سَوّٰفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴	پھر ہر گز نہیں، عنقریب جان لو گے
كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ۝۵	ہر گز نہیں! اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے (اس روش کے انجام کو) جانتے ہوتے (تو تمہارا یہ طرز عمل نہ ہوتا)
لَتَرْوُنَّ الْجَحِیْمَ ۝۶	کہ یقیناً تم ضرور جہنم کو دیکھو گے
ثُمَّ لَتَرْوُنَّهَا عِیْنَ الْیَقِیْنِ ۝۷	پھر یقیناً تم ضرور اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے
ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ۝۸	تم اس دن نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھے جاؤ گے

محترم قارئین:

اس سورت کی آیات مبارکہ میں: دنیا کے مال و دولت پر فخر، اور انسان
کے کردار سے متعلق سوال، جیسے موضوعات کے بارے میں بحث کی
گئی ہے۔

اَلْهٰكُمُ التَّكٰثُرُ ۝۱	تمہیں ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی حرص نے غافل کر دیا
---------------------------	---

یعنی: مال و اولاد زیادہ حاصل کرنے کی حرص نے تمہیں خدا تعالیٰ کی
اطاعت، اور آخرت کے لیے عمل کرنے سے غافل کر دیا، اور اسیر بنا لیا

ہے، ابن عباس اور حسن بصری آیت: " اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ " کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ " تکاثر " کثرت سے مشتق ہے، اور مال و دولت جمع کرنے کا معنی دیتا ہے، اور دوسری روایت میں ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے " اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ " پڑھی اور فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ کسی غلط طریقے سے مال کمایا جائے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فرائض مال میں رکھے گئے ہیں انہیں ادا نہ کیا جائے، (تفسیر قرطبی)

" التكاثر " تفاخر ، اور دنیاوی نعمتوں کی فراوانی پر فخر کرنا،

1 - دنیاوی معاملات میں لالچ اور زیادہ طلب کرنا اپنے لیے خرچ کیے بغیر ۔

2 - دو گروہ یا دو افراد کا آپس میں مقابلہ اور ضد۔

3 - نسب، اور قبیلے پر زبان سے شیخی مارنا، تفاخر کرنا۔

رب تعالیٰ کا یہ خطاب ان لوگوں کے لیے ہے جو دوسروں پر فخر کرنے اور شیخیاں مارنے کے لیے مال و دولت اور جائیدادیں کثرت کے ساتھ جمع کرنے میں مصروف ہیں، ایسے کام انسان کو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت سے روک دیتے ہیں، یہ لوگ اسی تکاثر و تفاخر میں مشغول ہوں گے کہ موت ان پر آجائے گی، ح الا نکه مقابلہ عمل صالح اور ایمان میں ہونا چاہیے، یہ مقابلہ آخرت کی ابدی نعمتوں کے لیے ہونا چاہیے، نہ کہ عارضی اور وقتی کاموں میں، "الہاکم" لفظ " الہاکم " لہو سے لیا گیا ہے جو کہ حقیقت میں غفلت کا معنی دیتا ہے، لیکن عربی زبان میں اس لفظ کا اطلاق ہر اس مصروفیت کے لیے ہوتا ہے کہ انسان کی دلچسپی اس میں اتنی زیادہ ہو کہ وہ تمام تر وجود کے ساتھ اس میں منہمک ہو جائے اور دوسری اہم چیزوں سے غافل ہو جائے، جب لفظ "الہاکم" اس اصل سے استعمال ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم پر لہو اس قدر قابض ہو گیا ہے کہ تم اس سے زیادہ اہم کاموں کے بارے میں نہیں سوچتے، تم اس کی طرف متوجہ ہو کر ہمیشہ اس کے بارے سوچتے رہتے ہو، اصفہانی " لہو " کے بارے میں لکھتے ہیں: " لہو " وہ ہے جو انسان کو فائدے والے اہم کام سے مصروف رکھے، "الہا" مصروف اور مشغول کرنے کے معنی میں ہے، " التکاثر " تکاثر بھی کثرت سے ماخوذ ہے، اس کے تین معنی ہیں: ایک یہ ہے کہ آدمی بہت زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرے، دوسرا یہ کہ لوگ ایک دوسرے سے زیادہ کمانے، جمع کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں، تیسرا یہ کہ لوگ اس بنا پر کہ دوسروں سے زیادہ اور کثرت سے مال رکھتے ہیں فخر کرنے لگیں، شیخی مارنے

لگے، تو پھر " اَلْهَكْمُ التَّكَاثُرُ " کا معنی یہ ہے کہ اس تکاثر نے تمہیں اتنا زیادہ مشغول کر دیا ہے کہ اس سے تمہاری دلچسپی اور لگاؤ نے اس سے زیادہ اہم چیزوں سے تمہیں غافل کر دیا ہے، (تفہیم القرآن)

حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲	یہاں تک کہ تم نے قبرستان جا دیکھے
----------------------------------	-----------------------------------

اپنے مردوں کی قبریں گننے لگے اور فخر کرنے لگے، زیادہ ہونے کے فخر نے اور ایک دوسرے پر کثرت میں مقابلہ اور ضد نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آخرت کے لیے عمل سے غافل کر کے اسیر بنالیا ہے "یہاں تک کہ تم قبرستان تک پہنچ گئے" یعنی: کثرت کی طلب اور فخر و مباہات کو اس حد تک تم نے آگے بڑھایا کہ تمہیں موت نے آیا، اور اس حالت میں قبروں میں دفن ہو گئے، یا یہاں تک تم لوگو نے اسے آگے بڑھایا کہ اپنی کثرت دکھانے کیلئے قبرستان تک گئے، اور مردوں کو شمار کرنے لگے، حدیث شریف میں ہے کہ: "یہرم ابن آدم، ویبقی معہ اثنتان: الحرص والأمل" ترجمہ: " آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے، لیکن دو چیزیں اس کے ساتھ باقی رہتی ہیں، ایک لالچ اور دوسری اس کی لمبی آرزوئیں" اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ: قبروں کی زیارت سنگدل لوگوں کے لیے شفا، بخش علاج میں سے ہے، کیونکہ یہ زیارت آخرت اور موت کو یاد دلانے والی ہے، اس لحاظ سے علماء مردوں کے لیے زیارت قبور پر اتفاق رکھتے ہیں، لیکن عورتوں کے لیے اس کے جواز میں اختلاف ہے، جوان عورتوں کا وہاں جانا حرام اور اڈھیر عمر عورتوں کے لیے مباح ہے، اگر عورتیں مردوں سے الگ قبروں کی زیارت کے لیے جائیں تو ان سب کے لیے جائز ہے، اگر مردوں کے ساتھ مخلوط ہو کر جانے میں فتنے کا اندیشہ ہو تو جائز نہیں ہے۔

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝۳	ہر گز نہیں، تم عنقریب جان لو گے
------------------------------	---------------------------------

غفلت اور دنیا پر فخر کرنے انجام جان لو گے، یہ سرزنش ہے انسانوں کے لیے ان کی کثرت طلبی پر، یعنی: اے انسانو! باز رہو اس چیز میں مشغول ہونے سے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس سے دوری اختیار کرو کیونکہ مستقبل میں اللہ کی بارگاہ میں آخر کار تمہیں اپنی جہالت اور عبادت میں کمی اور عارضی دنیا میں مصروف ہو کر اپنے اور مستحکم گھر کو نظر انداز کرنے کا پتہ چل جائے گا، یعنی بہت جلد تم پر واضح ہو جائے گا کہ آخرت اس جلد فنا ہونے والی دنیا سے بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔

"کلا": "ہاں، ایسا کام نہیں کرنا چاہیے تھا، اس فخر و مباہات کو چھوڑو"، "سَوْفَ تَعْلَمُونَ" جب قبر میں داخل ہو گے، اس وقت تم اس تکاثر اور تفاخر کی غلطی جان جاؤ گے، یعنی: اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ ترقی، خوشی اور کامیابی کا مفہوم ہے دنیا کے زیادہ سے زیادہ اسباب اور سہولتیں حاصل کرنا، حالانکہ کامیابی ہر گز یہ نہیں ہے، بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا، اور جان لو گے کہ تم زندگی بھر کیا غلطی کرتے رہے ہو۔

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۲۰﴾	پھر ہر گز نہیں، عنقریب جان لو گے
--------------------------------------	----------------------------------

پھر ایسا نہیں ہے، بہت جلد جان جاؤ گے، یہ تکرار تاکید اور تشدید کے لیے ہے، اور ایک سرزنش کے بعد دوسری سرزنش ہے، یعنی بہت جلد ہی اس دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے میں تمہاری غلطی تم پر ظاہر ہو جائے گی، اور دنیا میں مصروف رہنے اور اطاعت الہی سے منہ موڑنے کی برائی تم پر واضح ہو جائے گی، یعنی جب موت تم کو اپنے آغوش میں لے لیگی اور تم قبر میں دفن ہو جاؤ گی اور اس کی دہشت اور سختی کا مشاہدہ کر لو گے، تو دولت کی فراوانی پر گھمنڈ کرنے کا انجام جان لو گے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ" یعنی: جب آخرت میں عذاب سے دوچار ہو جاؤ گے تو جان لو گے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ تفسیر قرطبی: (20/176)۔

"کلا" "حقا" سرزنش کو منحرف خیالات اور طرز عمل کے خلاف دوہرایا جانا چاہیے، (کلا، ثم کلا، کلا) علما کے قول کے مطابق آیات کی تکرار قرآن میں دو دلیل کے بنا پر ہوتی ہے:

- 1- اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ ایسا نہ کرو، اور دنیا میں مشغول نہ ہو جاؤ (اپنا خیال رکھو کوئی تمہارے کام نہیں آئے گا)۔
- 2- دو آیتوں کے دو مختلف معانی ہوں، دوسری آیت کا معنی الگ ہو، پہلی آیت دنیا اور دوسری آیت آخرت کی طرف اشارہ کرتی ہو (کلا) پہلی آیت میں گناہوں پر سرزنش ہوگی، (سب سے پہلے دنیا میں گناہوں کے وجہ سے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے) کیونکہ گناہ کا ارتکاب کرنا خود پریشانی اور تکلیف کا باعث بنتا ہے۔

"کلا" دوسری آیت خدا کے اخروی عذاب کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اور محشر کے دن عذاب میں مبتلا کرے گا، اور محشر پر اس کی وجہ سے، سورج کی تپش، جہنم کا خوف اور پل صراط پر کانٹے اور جہنم کی آگ سے عذاب دے گا۔

بر گز نہیں! اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے (اس روش کے انجام کو) جانتے ہوئے (تو تمہارا یہ طرز عمل نہ ہوتا)	كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝
---	---

یعنی: اگر تمہیں یقینی علم ہوتا، جیسا کہ دنیا کی قطعی اور یقینی چیزوں کا تمہیں علم ہے کہ کیا انجام تمہارے انتظار میں ہے، اور کس ٹھکانے پر جاؤ گے، تو یقیناً یہ علم تمہیں کثرت طلبی اور فخر کرنے سے باز رکھتا، اور دنیا کی طلب کبھی تمہیں اس عظیم کام سے غافل نہ کرتی۔

جواب (لو) آیت مبارکہ میں محذوف ہے، اس وجہ سے کہ زیادہ خوف پیدا ہو، یعنی اگر تمہیں معلوم ہوتا تو دنیا کی عزت و تکبر تمہیں دھوکہ نہیں دیتی اور آخرت کی پریشانی اور دہشت سے تم غافل نہیں ہوتے، جیسا کہ نبیؐ نے فرمایا: "اگر تم جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے (یہ بخاری کی روایت کردہ حدیث کا حصہ ہے)، (از تفسیر صفوہ التفاسیر)۔

التسهیل میں ہے کہ: جواب (لو) محذوف ہے اور اس کی تقدیری عبارت یوں ہے: اگر تم جانتے ہوئے، تو بس کرتے، اور آخرت کے لیے تیاری کرتے، (لو) کا جواب ڈر اور خوف ایجاد کرنے کے لیے محذوف رکھا گیا، تاکہ سننے والا اس کی تعریف کرے جسے وہ بڑا سمجھتا ہے، جیسے آیت: "وَلَوْ تَرَىٰ اِدْوَقُوْا عَلٰی النَّارِ" (التسهیل: 416/4)۔

"علم الیقین" یعنی: یقینی طور پر ہوگا۔

"لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ" (اگر تم یقینی طور پر اپنی دولت کی فراوانی پر شیخی مارنے اور گھمنڈ کرنے کا انجام جانتے) مگر تمہیں تو ادنیٰ سا علم بھی نہیں ہے، یعنی: یقینی علم نہیں رکھتے ہو، اگر علم الیقین بھی ہوتا تو تمہیں کافی ہوتا۔

یقینی علم وہ ہے جو حقیقت کے مطابق یقین سے پیدا ہو، یا عینی مشاہدہ سے یا کسی قطعی اور مستحکم وجہ سے وجود میں آیا ہو، جس پر عقل صحیح یا رسول اکرمؐ سے نقل ثابت اس پر دلیل ہو۔

کہ یقیناً تم ضرور جہنم کو دیکھو گے	لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝
------------------------------------	---------------------------

مفسر آلوسی فرماتے ہیں: یہ پوشیدہ جواب قسم ہے جس پر وعید کو مؤثر اور دھمکی کو سخت کر دیا ہے، یعنی: پرورگار کی قسم تم دوزخ کی آگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھو گے، اور صاف صاف مشاہدہ کرو گے، کیا تم نے ایسا کوئی عمل انجام دیا ہے جو نجات بخش ہو اور تمہیں دوزخ کی آگ سے بچاسکے اور اس سے دور کر دے؟

پھر یقیناً تم ضرور اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے	ثُمَّ لَتَرَوْهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝
---	---------------------------------------

البحر میں ہے کہ : اللہ تعالیٰ نے " عین الیقین " لا کر اس وہم کو دور کر دیا ہے کہ پچھلی آیت میں جس رؤیت کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں مجازی معنی مراد لیا ہے (البحر: 508/8) یعنی پھر تم دوزخ کو اس رؤیت کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے جو بالکل یقینی ہے، بعبارت دیگر: یہ ان کی جہنم میں ابدی زندگی کی خبر ہے، یعنی: ان کی یہ رؤیت مسلسل، مستقل اور بلا تعطیل ہے، ابن کثیر فرماتے ہیں: یہ آیت پچھلی آیت میں ذکر شدہ سرزنش کی تفسیر ہے، یعنی: " لَتَرَوْنَّ الْجَحِيمَ " حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: جب حضرت موسیٰ کوہ طور میں تشریف فرما تھے، تو ان کی قوم کے لوگ بچھڑے کی پرستش کرنے لگی، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو وہیں پر مطلع فرمایا کہ آپ کی قوم ایسی مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہے، اس وقت ان کو اتنا اثر نہیں ہوا تھا جتنا قوم کے پاس آنے کے بعد ان کو دیکھ کر ہوا، بے ساختہ انہوں نے الواح تورات کو زمین پر رکھا، (رواہ احمد و الطبرانی بسند صحیح)۔

تم اس دن نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھے جاؤ گے	ثُمَّ لَتَسْأَلَنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝
---	--

پھر اس دن تم سب سے ان نعمتوں کے بارے باز پر س ہوگی جو تمہارے پاس تھیں، یعنی: دنیا کی ان نعمتوں کو شمار کرنے کے مقام پر جس نے تم سے آخرت کا کام بھلا دیا تھا، پوچھے جاؤ گے کہ کیا تم نے ان نعمتوں کا شکر ادا کیا کہ نہیں۔

"ثُمَّ لَتَسْأَلَنَّ" لام تاکید ابتدا میں اور نون ثقیلہ آخر میں، یہ اس بات کی تاکید ہے کہ لازمی طور پر تم سے پوچھا جائے گا، "يَوْمَئِذٍ" جس دن دوزخ کو یقینی طور پر دیکھو گے، "عَنِ النَّعِيمِ" وہ نعمتیں جن کے تم مالک ہو اور جن سے تم لطف اندوز ہوئے، جیسے: صحت، فراغت، راحت، کھانا، پینا وغیرہ، جو نعمتیں تمہیں عطا کی گئی ہیں قیامت کے دن ان کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا ہے کہ نہیں؟ صحت مند جسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے، اور مال و دولت سے زکوٰۃ ادا کی ہے، مذکورہ بالا نعمتوں کا جس نے شکر ادا کیا تو اسے نجات ملے گی، اور جس نے ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا تو مستحق عذاب ٹھہرے گا، ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت اور اطاعت میں خرچ ہونا چاہیے، کیونکہ ہم سے اس بارے میں پوچھا جائے گا، اس سلسلے میں مذکور احادیث اس سوال کی عمومیت کے لیے مفید

ہیں، یعنی: تمام انسان بہ شمول مؤمن اور کافر کے سب سے پوچھا جائے گا، لیکن کفار سے سرزنش کے طور پر، کیونکہ انہوں نے نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا، اور مؤمن سے سوال کرنا یہ عزت کے لیے ہوگا، کیونکہ وہ شکر گزار تھے۔

حدیث شریف میں ہے مدینہ میں حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور کہا: اے اللہ کے رسول! ہم سے کس نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا، جبکہ ہم تو اپنے گھروں سے بے دخل ہوئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سایہ بان کے سائے کا درختوں اور دیگر چیزوں کے سائے کا جو آپ لوگوں کو گرمی، سردی سے محفوظ رکھتا ہے، اور گرمی کے دن ٹھنڈے پانی کا سوال کیا جائے گا۔

اسی طرح حدیث شریف ہے جو کہ ابن ابی شیبہ نے احمد بن لیبید سے روایت کی ہے، کہتے ہیں: "جب سورہ تکاثر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے تلاوت کی جب اس آیت پر پہنچے: "ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ" تو صحابہ کرام نے پوچھا: اے اللہ کے رسول!

ہم سے کونسی نعمتوں کا پوچھا جائے گا، جبکہ ہمارے پاس پانی اور کھجور کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، اور ہماری تلواریں ہمارے گلے میں لٹکی ہوئی ہیں، اور دشمن بھی سامنے ہیں؟ آخر وہ کونسی نعمت ہے جس کے متعلق ہم سے باز پُرس ہوگی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ پوچھنا ایک حقیقت ہے تبدیل نہیں ہوگا۔"

اسی طرح حدیث شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو نعمتیں ایسی ہیں کہ لوگ ان سے غافل ہیں: صحت، اور فراغت، یعنی: اکثر لوگ ان دو نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں، اور اپنا فرض ان کے متعلق پورا نہیں کرتے، بس جس کے ذمے جو حق ہے اسے ادا نہ کرے وہ درحقیقت نقصان اٹھانے والا ہے۔

اسی طرح حدیث شریف میں یہ روایت ابی ہریرہؓ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا تزول قدما العبد يوم القيامة حتى يسأل عن أربع: عن عمره فيم أفناه، وعن شبابه فيم أبلاه، وعن ماله من أين اكتسبه وفيم أنفقه، وعن علمه ماذا عمل به" (بندے کے قدم قیامت کے دن اس وقت تک ہل نہیں سکیں گے جب تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا جائے: اس کی زندگی کے بارے میں، اس نے وہ کیسے گذاری، اس کی جوانی کے بارے میں، کہ اس نے کس طرح گزارا، اس کے مال و دولت کے بارے میں،

کہاں سے حاصل کیا؟ اور کہاں خرچ کیا، اور اس کے علم کے بارے میں کہ اس پر کیسا عمل کیا؟۔

اسی طرح حدیث شریف میں مسلم اور اصحاب سنن سے مروی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے باہر نکلے تو حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ سے ملے، آپ نے پوچھا کہ: اس وقت کونسی چیز تمہیں گھروں سے باہر لے آئی ہے؟ ان دونوں نے کہا: بھوک نے یا رسول اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، مجھے بھی یہی چیز باہر لائی ہے جو آپ دونوں کو باہر لائی ہے، پھر وہ دونوں آپ کے ساتھ ایک انصاری کے گھر تشریف لے گئے، وہ شخص گھر پر نہیں تھا، جب اس کی بیوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، تو کہا: خوش آمدید! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا کہ: فلاں (تیرا شوہر) کہاں ہے؟ عورت نے کہا: وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گیا ہے، اسی دوران وہ انصاری آدمی پہنچ گیا، بنی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دو دوستوں کی طرف نگاہ دوڑائی، اور کہا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں: آج کسی کے پاس بھی مجھ سے زیادہ معزز مہمان نہیں ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کا گرم جوشی سے استقبال کیا، اور خود کھجوروں کے باغ میں گیا، اور کھجوروں کا ایک گچھا لایا جس میں پکی کچی دونوں قسم کی کھجوریں تھیں، ان کو کھجور کھانے کی دعوت دی، پھر اس نے چھری لی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ ہو کہ کوئی دودھ والا جانور ذبح کر دو؟ پھر اس نے ایک دنبہ ذبح کر دیا، جب سب نے دنبہ کا گوشت اور کھجوریں کھائیں، میٹھا پانی بھی پی کر سیراب ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ اور عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یقیناً قیامت کے دن ان نعمتوں کے بارے میں پوچھے جاؤ گے۔

اسلام میں فخر

نسب پر فخر کرنا جہالت کی بات ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کاموں سے لاتعلقی اختیار کی ہے، اللہ کا فرمان ہے: "وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ" (سورہ زخرف: 32) اور ہم نے بعض کو بعض پر فوقیت دی۔

اُس فوقیت سے مراد دنیاوی امور ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَي رَجُلٍ مِّنَ الْقُرَيْتَيْنِ عَظِيمٍ ۝۳۱ اَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۝۳۲ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ

مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُلْحِرِيًّا ۝ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْعَلُونَ ۝۳۲" (سورہ ذخرہ: 32) ترجمہ: " اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (یعنی مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لیں اور جو کچھ یہ جمع کرتے ہیں تمہارے پروردگار کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے۔"

ایک بندہ فقیر، دوسرا دولتمند، ایک بیمار، دوسرا صحت مند، ایک مضبوط طاقتور، دوسرا کمزور، آیت سے مراد یہ ہے۔

نسب پر فخر کرنا جاہلیت کے دعووں میں سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے والوں سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: " يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۝۱۰۰" ۝۱۰۰

اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَىٰكُمْ ۝۱۰۱" ۝۱۰۱ (حجرات: 13) " لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے بیشک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے " ، قوم قبیلے بنانے کا مقصد ایک دوسرے کو پہچاننا ہے نہ کہ فخر کرنا۔

شیخی مارنا اور گھمنڈ کرنا

اخلاقی برائیوں میں سے ایک بہت ہی بُری انسانی خصلت فخر اور گھمنڈ کرنا ہے، فخر سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص دوسروں کے سامنے گھمنڈ کرتا ہے، اپنے اندر محسوس ہونے والے غیر حقیقی یا حقیقی کمالات کی وجہ سے، اور ان پر فخر کرتا ہے، فخر تکبر کا ایک حصہ ہے، یا اس کی ابتدا تکبر سے ہوتی ہے، اس لحاظ سے جتنی آیات اور روایات تکبر کے بارے میں آئی ہیں وہ شیخی مارنے کو بھی شامل ہیں، فخر یا شیخی مارنا جہالت اور نادانی کی جڑ ہے، جیسا کہ تکبر بھی جڑ ہے، اس لیے جاہل انسان نہ کمالات کو پہچانتا ہے، نہ ہی کمال کی اصل علت کو، اس وجہ سے وہ بعض خامیوں کو کمال سمجھتا ہے، اور اپنے خیالی کمال پر فخر کرتا ہے، یا اپنے اندر موجود کمالات کو اپنی تخلیق سمجھتا ہے، اور وہ کمال کے ماخذ و منشأ کو بھول جاتا ہے، جو کہ خدا تعالیٰ ہے، چنانچہ یہ دونوں خصوصیات جہالت کا حصہ ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: " لَا حُمْقَ أَعْظَمَ مِنَ الْفَخْرِ " (دوسروں پر شیخی مارنے سے بڑی حماقت کوئی نہیں)۔

شیخی مارنے کا علاج

اخلاقی برائیوں کا علاج اور روک تھام اس وقت ممکن ہے کہ جب ان میں مبتلا شخص اسے واقعی برائی سمجھے اور ذاتی طور پر اس کے علاج کے لیے اقدامات کرے، ورنہ اس مرض کا علاج معالجہ ناممکن ہو جائے گا، کیونکہ جو لوگ اس مرض میں مبتلا ہیں وہ اسے اخلاقِ حسنہ کے زمرے میں شمار کرتے ہیں، اور اس نکتہ پر توجہ نہیں کرتے کہ: " أَكْبَرُ الْفَخْرِ أَلَا تَفْخِرُ " ہے، اسی لیے گھمنڈ سے روکنا ممکن نہیں ہے۔

اس بنا پر علمائے کرام کا کہنا ہے کہ علاج کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ جو شخص اس مرض میں مبتلا ہو اسے یہ سمجھایا جائے کہ یہ خصلت اخلاقی برائیوں میں سے ہے، اسے علاج معالجہ کی کوشش کرنی چاہیے، مرض کے علاج کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ: اس مرض میں مبتلا شخص میں اس مرض کے عامل اور سبب کی تشخیص کی جائے، مطلب یہ کہ جو شخص گھمنڈ کر رہا ہے اس کے پاس کیا ہے، جس کی وجہ سے اس میں یہ بری صفت پیدا ہوئی ہے؟ یا اس چیز کی وجہ سے ہے جو صرف اس میں ہے، جیسے: علم، حسن، طاقت یا دولت ہے جس پر کہ وہ گھمنڈ کرتا ہے، یا جو کچھ دوسروں میں بھی ہے، جیسے: حسب و نسب اور رشتہ داروں کی نیکی و فضیلت پر شیخی مارنا، اگر پہلا ہے تو اسے سمجھانا چاہیے کہ ان چیزوں میں سے جو اس کے اندر ہیں تو اس میں اس کا کوئی کردار نہیں ہے، جیسا کہ خدا تعالیٰ نے جو حسن دے کر قدرت نمائی کی ہے اس سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ حسن و جمال ایک دن گل سڑ کر مٹی میں بدل جائے گا، جیسا کہ پہلے نطفہ اور گندہ پانی تھا۔

دوسرے حصے میں، جیسے: دولت اور طاقت، سب سے پہلے اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ایک دربان ہے، اور اپنے وارثوں کے لیے ذخیرہ اندوزی کر رہا ہے، دوسرے لوگ اس کا یہ مال کھائیں گے، وہ اپنا حساب چکائے گا، یہ بات قابلِ فخر نہیں ہے، اور دوسری بات اسے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے، فخر کم ظرفی اور تنگ نظری کی وجہ سے ہوتا ہے، وہ شخص جو اپنے کم سے کم مال پر فخر کرتا ہے اور دوسروں کے مہنگے مال کو نہیں دیکھتا، چنانچہ وہ جہالت میں مبتلا ہے نہیں دیکھتا کہ، اس کی

صلاحیت بھی ایک معمولی چیز ہے اور وہ بھی خیالی ہے مگر اس نے پھر بھی اسے اکڑ میں رکھا ہے، ایسے شخص کو اپنے حال پر افسوس ہونا چاہیے کہ اوروں نے سترشہر عشق کی سیر کی ہے، لیکن ہونٹوں پر سکوت کی مہر لگا رکھی ہے، لیکن وہ کسی گلی کے موڑ پر کھو گیا ہے، اور اپنی منزل کی طرف ایک قدم بھی نہیں بڑھایا، اور کوئی فضیلت بھی حاصل نہیں کرسکا، اس کی آواز انکر الاصوات ہے جو گھمنڈ کے ساتھ اونچی ہے، اور کھوکھلے ڈرم کی طرح بچ رہا ہے۔

علم الیقین کیا ہے؟ اور کن لوگوں کے لیے مخصوص ہے؟

علم الیقین کا موضوع جس کا ذکر سورۃ "تکائر" آیت: 5 میں کیا گیا ہے، "كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ" ترجمہ: ہر گز نہیں! اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے

(اس روش کے انجام کو) جانتے ہوتے (تو تمہارا یہ طرز عمل نہ ہوتا)۔ اگر علم الیقین اس طرح جان لو جیسا کہ دنیا کی قطعیات اور یقینیات کو جانتے ہو کہ کونسی قسمت تمہارا انتظار کر رہی ہے اور تم کہاں جا رہے ہو بلاشبہ یہ سوچ آپ کو کثرت طلبی اور فخر کرنے سے روکے گی، اور دنیا کبھی تمہیں ایسے عظیم کام سے غافل نہیں کرے گی، علم یقین ایک ایسا علم ہے کہ جو حقیقت کے مطابق اعتقاد اور یقین سے پیدا ہوا ہو، اور معروضی مشاہدے سے یا کسی قطعی اور مستحکم دلیل سے نکلا ہو جو عقل صحیح یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت اس پر دلالت کرے، علم یقین وہ نہیں ہے جو اہل تصوف کے ہاں تصور ہے کہ وہ ایک مقام و مرتبہ ہے جسے انسان حاصل کرسکتا ہے، اور پھر اس کے ذمے سے شرعی فرائض ساقط ہوجاتے ہیں، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: "وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ" (سورۃ الحجر: 99) ترجمہ: "اور اپنے

پروردگار کی عبادت کئے جاؤ یہاں تک کہ تمہیں علم الیقین آجائے۔" یہ درحقیقت قرآن کریم کے معنی کی تحریف ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ مکلفیت صرف اس وقت تک ہے جب تک آدمی علم الیقین کے درجہ کو نہ پہنچ جائے، لیکن جیسے ہی وہ اس درجہ کو پہنچ جائے تو شرعی فرائض اس سے ساقط ہوجاتے ہیں، جبکہ علم الیقین کا صحیح مفہوم اس آیت میں موت ہے، یعنی اس وقت تک عبادت کرو جب تک زندہ ہو، یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت جیسے: نماز وغیرہ انسان پر اس وقت تک فرض ہے، جب تک اس کی عقل کام کرتی ہے، لہذا مؤمن کو چاہیے کہ چاہے جس جسمانی کیفیت میں ہو اپنی حالت کے مطابق نماز پڑھے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ: "کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اور اگر نہیں کرسکتے تو بیٹھ کر، اگر نہیں کرسکتے تو اپنی پہلو پر" اس لیے

یہ آیت تصوف کی بات کو غلط ثابت کرتی ہے جو کہتے ہیں: "یقین" سے مراد اس آیت میں "معرفت" ہے؛ لہذا ان کے نزدیک معنی یہ ہے کہ اپنے رب کی اس وقت تک عبادت کرو، جب تک کہ تم علم اور معرفت کی حد کو نہ پہنچ جاؤ، پس جب ان میں سے ایک - ان کی رائے میں - علم کی حد کو پہنچ جائے، تو شرعی فرائض اس سے ساقط ہو جائیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رائے - جیسا کہ ابن کثیر نے کہا - کفر گمراہی اور جہالت ہے، کیونکہ باوجود اس کے کہ انبیاء اور ان کے اصحاب سب سے زیادہ خدا اور اس کے حقوق کے بارے میں جاننے والے تھے، اس کے باوجود وہ اپنی موت تک خدا کی عبادت میں مصروف اور نیک اعمال کرنے میں سب سے زیادہ متقی اور محتاط تھے، خدا تعالیٰ کے بارے میں ان کے علم کے کمال نے انہیں اپنے فرائض اور عبادت سے کبھی نہیں روکا، بلکہ عاجزی، خشوع، دعا میں ان کی محنت اور بڑھ جاتی تھی، صوفیاء کے اس جھوٹے قول کی تردید میں ایک اور آیت کی گواہی لے سکتے ہیں، جو اہل جہنم کی زبانی ہے، خدا تعالیٰ ان کے متعلق فرماتے ہیں: "إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۝۳۹ فِي جَنَّاتٍ ۝۴۰ يَتَسَاءَلُونَ ۝۴۱ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۝۴۲ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ ۝۴۳ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصْلُوبِينَ ۝۴۴ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝۴۵ وَكُنَّا نَحْوُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۝۴۶ وَكُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝۴۷ حَتَّىٰ آتَيْنَا الْيَقِينَ ۝۴۸" (سورۃ المدثر: 39 تا 74). (مگر دائیں طرف والے جنتوں میں سوال کریں گے مجرموں سے تمہیں کس چیز نے دوزخ میں ڈال دیا؟ وہ کہیں گے: ہم نماز ادا کرنے والوں میں نہیں تھے، اور نہ ہم مسکین کو کھلاتے تھے، ہم بیہودہ بحث کرنے والوں کے ساتھ مل کر فضول بحث کیا کرتے تھے، اور ہم جزا کے دن کو جھٹلاتے تھے، یہاں تک کہ ہمارے پاس یقین آگیا) یقین سے مراد موت ہے اس آیت میں۔

یقین کے بارے میں قرآن مجید میں تین جملے ہیں " (1) علم الیقین ، (2) حق الیقین ، (3) عین الیقین ، خدا تعالیٰ فرماتے ہیں : " إِنَّ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ۝۹۵ " (سورہ واقعه: 90) " كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝۹۵ " (التكاثر: 5) ثُمَّ لَتَرَوْهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝۹۷ (التكاثر: 7) علم الیقین سے مراد وہ خبر ہے جس کا اظہار معتبر اور سچے لوگوں نے کیا ہو، اس طرح کہ اس کی صداقت یا وجود میں کوئی شک نہ ہو، عین الیقین اس وقت ہے جب وہ سنی ہوئی خبر کو دیکھے، اور حق الیقین اس وقت ہے جب اس خبر کو جانچے اور چھوئے

، مثلاً: اگر معتبر اور دیانتدار لوگ کہیں کہ شہد میٹھا ہے، یہ علم یقین کی طرح ہے، کہ ایک آدمی یقین کرتا ہے کہ شہد نام کی کوئی چیز ہے، جس کا ذائقہ میٹھا ہے، اور جب وہ اسے دیکھتا ہے تو عین یقین کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے، اور جب وہ اسے پیتا ہے تو حق یقین کی طرح پر پہنچ جاتا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے جس جنت کا ذکر انبیاء کی زبان سے مؤمنین کے لیے کیا ہے، وہ علم یقین ہے، کیونکہ ان کو یقین ہے کہ آخرت میں ایک ابدی نعمت ہے جسے جنت کہتے ہیں، اور جب وہ اسے دیکھیں گے عین یقین کے درجے پر پہنچیں گے اور جب جنت میں داخل ہوں گے اور جنت کی لذتوں سے لطف اندوز ہوں گے تو حق یقین کے درجہ پر پہنچ جائیں گے، کیونکہ وہ اس تک پہنچے جس کے بارے میں انہیں بتایا گیا تھا، پھر اسے دیکھا، اور اس کا مزہ چکھا۔

مسلمان بھائی پر مسلمان کے حقوق

ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے حقوق اور فرائض پر یقین رکھتا ہے، وہ اپنے مسلمان بھائی کے حقوق کا احترام اور ان کی ادائیگی کا خود کو پابند سمجھتا ہے، مسلمان کو یقین ہے کہ دوسرے مسلمان بھائی کا احترام اور حقوق کی ادائیگی خدا کی عبادت اور قرب الہی ہے، جو مسلمان کو خدا سے نزدیک کرتا ہے، کیونکہ ان حقوق کو خدانے واجب کیا ہے، اس لیے خدا کا حکم سمجھتے ہوئے ان کا لحاظ کرنا چاہیے، یہ آداب اور حقوق نیچے بیان کے گئے تشریح کے مطابق ہیں:

1- جب کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو سب سے پہلے اسے سلام کرنا چاہیے، اور کہے: "السلام علیکم ورحمة اللہ" اور اس سے مصافحہ

کرے، سلام کا جواب ایسے دینا چاہیے "وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ"

، کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: "وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا"

(النساء: 86) ترجمہ: "اور جب تم کو کوئی دعا دے تو (جواب میں) تم اس سے بہتر (کلمے) سے (اسے) دعا دو یا انہیں لفظوں میں سے دعا دو۔"

2- جب مسلمان بھائی کو چھینک آئے تو وہ: الحمد للہ کہے، اس کے چھینک کے جواب میں: "یرحمک اللہ" (خدا تجھ پر رحم کرے) کہے،

اور چھینکنے والا اس کے جواب میں کہے: "یہدیکم اللہ ویصلح بالکم"

"(اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارا حال درست کرے)۔"

3- جب مسلمان بیمار ہو جائے تو دوسرا مسلمان بھائی اس کے لیے دعا کرے، اور اس کی عیادت کرے، کیونکہ صحیح حدیث میں ہے: "مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں: (1) سلام کا جواب دینا، (2) بیمار کی عیادت کرنا، (3) جنازہ میں شرکت کرنا (4) دعوت قبول کرنا، (5) چھینک کا جواب دینا (متفق علیہ)۔"

4- مسلمان کا مسلمان پر یہ حق ہے کہ جب وہ فوت ہو جائے تو نماز جنازہ اور تکفین و تدفین کے معاملات میں شرکت کرے۔

5- جب بھی کوئی مسلمان بھائی کسی مسلمان بھائی سے کسی مسئلہ میں مشورہ کرے اور کسی خیرونیکی کی تلاش میں ہو، تو ضروری ہے کہ اسے نیکی اور خیر کا راستہ بتائے اور اسے مفید رہنمائی فراہم کرے، یعنی: جس قسم کے مشورے کو وہ شخص اپنے لیے مفید سمجھتا ہے، وہ مشورہ لینے والے شخص کو بھی دے۔

6- جو کچھ ایک مسلمان اپنے لیے پسند کرتا ہے اسے دوسرے مسلمان کے لیے بھی پسند کرے، اور ہر وہ چیز جو اپنے لیے پسند نہیں کرتا وہ دوسرے مسلمان کے لیے بھی پسند نہیں کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا يَوْمٌ مِنْ أَحَدِكُمْ حَتَّى يَجِبَ لِأَخِيهِ مَا يَجِبُ لِنَفْسِهِ وَيَكْرَهُ لَهُ مَا يَكْرَهُ لِنَفْسِهِ" ترجمہ: "تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہ ہوگا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے اور وہ چیز اس کے لیے بھی ناپسند کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔"

7- ایک مسلمان کے لیے پر ضروری ہے کہ دوسرے مسلمان کی ضرورت اور حاجت کے وقت مدد کرے، اور اسے بے یار و مددگار نہ چھوڑے۔

8- ایک مسلمان کو چاہیے کہ دوسرے مسلمان کو ہراساں نہ کرے، اور کسی مسلمان کے مال، عزت اور ناموس پر حملہ کرنے سے باز رہے، کیونکہ حدیث میں ہے: "كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ" (مسلمان کی تمام چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام اور قابل احترام ہیں: مسلمان کا خون، مال اور عزت و آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے) (مسلم)۔

9- ایک مسلمان کو چاہیے کہ دوسرے مسلمان کے ساتھ عاجزی سے پیش آئے، اور شیخی نہ مارے، کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو اس مباح جگہ سے اٹھائے جس پر وہ پہلے سے بیٹھا ہے، اور اس کی جگہ خود بیٹھ جائے، "وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمَسَّ فِي

الأَرْضِ مَرَحًا ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝۱۸" (سورہ لقمان: 18) ترجمہ: " اور (از راہ غرور) لوگوں سے گال نہ پھلانا اور زمین میں اکثر کر نہ چلنا خدا کسی اترانے والے کو پسند نہیں کرتا "۔

10 - کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ مدت تک تعلق منقطع رکھے۔

11 - کسی مسلمان کے بارے میں برائی کی باتیں یا غیبت نہ کی جائے، اور کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی تذلیل نہ کرے، اس کا مذاق نہ اڑائے، اس میں عیب تلاش نہ کرے، کسی کو برے القاب سے یاد نہ کرے، اور چغل خوری نہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "يَا أَيُّهَا

الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ ۝ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۝ أَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۝" (حجرات: 12) ترجمہ:

اے اہل ایمان! بہت بدگمانی کرنے سے احتراز کرو کہ بعض بدگمانی گناہ ہے اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور خدا کا ڈر رکھو بیشک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے "

اور فرماتا ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَر قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا

نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۝ وَلَا تَلْبِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّقَابِ ۝"

بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۝ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝۱۱" (سورہ

حجرات: 11) ترجمہ: "مؤمنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے (مؤمن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام (رکھو) ایمان لانے کے بعد برا نام رکھنا گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں "۔

12 - کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ دوسرے مسلمان بھائی کی بُرائی کرے، چاہے مردہ ہو یا زندہ ۔

13 - کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے مسلمان سے حسد، بغض رکھے اور اس پر شک کرے، اور اس کی جاسوسی کرے، کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: آپس میں حسد، بغض اور رنجش نہ رکھو، ایک دوسرے سے منہ مت موڑو، اور ایک

دوسرے کے لین دین میں دخل نہ دو، اے اللہ کے بندو بھائی چارے سے رہو (مسلم)۔

14 - کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو دھوکہ دے، اور اسے بچھاڑنے کی کوشش کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی دوسرے مسلمان کے خلاف ہتھیار اٹھائے، اور جو مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے درپے ہو وہ ہم مسلمانوں کی جماعت میں سے نہیں ہے (مسلم)۔

15 - مسلمان اپنے عہد کا وفادار ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ" (مائدہ: 1) ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنے عہد معاہدے کو پورا کرو"۔

16 - ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کرے اور ان کے ساتھ وہی سلوک کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

17 - ایک مسلمان کو چاہیے کہ دوسرے مسلمان کی لغزشوں سے درگزر کرے، ان کے عیبوں کو چھپائے ان کے راز فاش کرنے کی کوشش نہ کرے، اس لیے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ" (ان الله يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ) (المائدہ: 13) ترجمہ: "تو ان کی خطائیں معاف کر دو اور (ان سے) درگزر کرو کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

18 - ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ضرورت پڑنے پر اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرے، اس کی ضرورت پورا کرنے میں اس کے ساتھ تعاون کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ" (المائدہ: 2) ترجمہ: "اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو"۔

19 - جب بھی کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی دوسرے مسلمان کے پاس پناہ لے، تو اس کو پناہ دینا چاہیے۔

سورة تکاثر کا پیغام

1 - زیادہ دولت کی طلب اور گھمنڈ کی خواہش انسان کو فضول کاموں کی طرف لے جاتی ہے، "الْهَكْمُ التَّكَاثُرُ"۔

2 - زیادہ طلب کرنا قیامت کے حساب سے غفلت کا سبب ہے، (الْهَكْمُ التَّكَاثُرُ "لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ" ۸)۔

- 3- زیادہ طلب کرنے کی خواہش کا دائرہ مرنے والوں کی گنتی تک جاتا رہے گا "حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ"۔
- 4- قیامت کے حالات سے ناواقفیت لوگوں کو گمراہ کر دیتی ہے، "أَلْهَكُمُ الشَّكَاوَةُ.. كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ"۔
- 5- منحرف خیالات اور طرز عمل کے خلاف انتباہ کو دھرایا جانا چاہیے، "كَلَّا، ثُمَّ كَلَّا، كَلَّا"۔
- 6- ایمان اور یقین کے ذریعہ انسان مستقبل کو دیکھ سکتا ہے، "لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ، لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ"۔
- 7- جاہلیت کی ثقافت میں مقدار اور تعداد آبادی میں اتنی قیمتی تھی کہ مُردے بھی شمار میں لائے جاتے تھے، "حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ"۔
- 8- زیادہ طلب کرنے، اور فخر کرنے کی سخت سزا ہے (أَلْهَكُمُ الشَّكَاوَةُ... لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ"۔
- 9- انجام کے بارے میں سوچنا فخر کرنے میں رکاوٹ ہے، "كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ"۔
- 10- قیامت کے خطرناک حالات سے بچنے کے لیے یقین اور حقائق جاننے کی کوشش کرنی چاہیے "لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ، لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ"۔
- 11- جو لوگ دنیا میں منہمک رہتے ہیں وہ کبھی یقین کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے "لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ"۔
- 12- ایمان اور یقین کے درجات ہیں: "عِلْمَ الْيَقِينِ... عَيْنَ الْيَقِينِ"۔
- 13- قیامت کے دن کا حساب ان نعتوں اور سہولتوں کی بنیاد پر ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دی ہیں، اس لیے ہر ایک دوسرے سے مختلف ہیں "لَتَسْلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ"۔

صدق الله العظيم وصدق رسوله النبي الكريم

**Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library**